يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہا ہے سود سے اگر ہو تم ایمان والے

القول المحمود

فی

رد جواز السود

سنہ ۱۳۲۷ھ

از افادات فاضل بے بدل عالم باعمل مناظر بے نظیر مولانا الحاج مولوی محمد بشیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
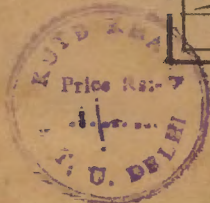
در مطبع انصاری واقع دہلی باہتمام محمد عبد العزیز بخش جونی مطبوع گردید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احل اللہ البیع وحرم الربوٰا

صاحب[1] الحقوق و الفرائض نے دو[2] دلیلیں جواز سود کی لکھی ہیں۔

اول یہ کہ سود در اصل تو حرام و ناجائز ہے۔ مگر ہم لوگ انگریزی عملداری کے رہنے والے حکم ممانعت سود کے مخاطب ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم اپنی خاص حالت کیوجہ سے مضطر ہیں۔ اور مضطر کو جسطرح میتہ و خنزیر جائز ہے۔ اسیطرح ہمارے لیئے سود کا معاملہ بھی جائز ہے بہت سے احکام شرعی کی ہم انگریزی عملداری میں تعمیل کر نہیں سکتے۔ جیساکہ رجم[1] زانی۔ قطع[2] ید سارق مسلمان[3] کے مقابلہ میں نامسلم کی شہادت میعاو سماعت حدود۔ اسیطرح ہم حکم ممانعت سود کی تعمیل نہیں کر سکتے۔

الجواب من وجوہ اول[1] یہ ہے کہ ہمارا معاملہ سود میں حد اضطرار کو پہونچنا غیر مسلم ہے کیونکہ دولت کمانیکے پہلے سے زیادہ بہتیرے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ مانند نوکری تجارت زراعت وغیرہ۔ ایک سود کا لین دین نشد نشد۔ غرض سود کا معاملہ نہ کرنیسے کوئی وجہ خوف ہلاکت کی پائی نہیں جاتی ہے۔

دوم[2] بفرض محال اگر اضطرار تسلیم کیا جائے تو سود کے دینے میں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سود کے لینے میں کوئی وجہ اضطرار کی متحقق نہیں ہے اسلیئے دعویٰ عام ہے اور دلیل خاص ہوئی فما تم التقریب

سوم[3] اضطرار کی حالت میں اُن ہی اشیاء کا استعمال جائز ہے۔ جسکا ثبوت دلیل شرعی سے ہے اور سود کا جواز حالت اضطرار میں کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ ومن یدعی فعلیہ البیان۔

[1] مؤلفہ شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب بجنوری نزیل دہلوی مطبوعہ فضل المطابع دہلی ۱۹۰۲

چہارم قیاس سود کا رجم زانی و قطع ید سارق و نامسلم کی شہادت بمقابلہ مسلمان و میعاد سماعت و حدود
پر ایک قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ یہ سب امور حکومت سے متعلق ہیں۔ اور حکومت اہل اسلام کی
ہندوستان میں نہیں ہے اسلیئے ہم اُسپر قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ بخلاف معاملہ سود کے کہ اسکو حکومت
سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ ہمکو اختیار ہے کہ چاہے سود کا معاملہ کریں یا نکریں حکام کی جانب سے
اس میں کچھ تعرض نہیں ہے۔

پنجم اس دلیل سے تو تصویر سازی اور تصویر کی بیع و شرا اور شراب سازی اور اسکی بیع و شرا و معازف
و مزامیر سازی اور اُسکی بیع و شرا اور قمار بازی اور دیگر بیوع اور اجارات فاسدہ اور نیلام فاسد
اور پیشہ مغنیہ اور بیع و شرا خنزیر یہ سب جائز ہوئے جاتے ہیں۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

دلیل دوم یہ ہے کہ قرآن میں ایک جگہ تو اضعافا مضاعفۃ یعنی سود در سود کی مناہی ہے
اور دوسری جگہ مطلق سود کی اور تفسیر امام رازی سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے لوگوں میں صرف
سود در سود کا رواج تھا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں جہاں سود کی مناہی
ہے۔ وہاں یہی سود در سود مراد ہے اور چونکہ مطلق سود الربوا معرّف فرمایا ہے نحو کے قاعدے سے
وہی ربوا سمجھا جائیگا معہود فی الذھن جو عرب میں مروّج تھا۔

الجواب من وجوہ اوّل یہ کہ یہ قول کہ عرب کے لوگوں میں صرف سود در سود کا رواج تھا
غلط ہے بلکہ عرب میں سوائے سود در سود کے سود مروجہ حال بھی مروج تھا۔ قال اللہ تعالےٰ
ذلك بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا و احل اللہ البیع و حرم الربوٰ امام رازی تفسیر میں لکھتے
ہیں المسئلۃ الاولی القوم کانوا فی تحلیل الربوا علی ھذہ الشبھۃ وھی ان من اشتری ثوبا
بعشرۃ ثم باعہ باحد عشر فھذا حلال فکذا اذا باع العشرۃ باحد عشر یجب ان یکون
حلالا لانہ لا فرق فی العقل بین الامرین فھذا فی الربوا النقد واما فی ربوا النسیئۃ
فکذلك ایضا لانہ لو باع الثوب الذی یساوی عشرۃ فی الحال باحد عشر جاز فکذا اذا
اعطی العشرۃ باحد عشر الی شھر وجب ان یجوز لانہ لا فرق فی العقل بین الصورتین انتہی

میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ دلیلیں دونوں صاحبوں کی ایک ہیں فقط اتنا ہی فرق ہے۔ کہ صاحب الحقوق و الفرائض نے
بوجہ اضطرار کے ایت حرم الربو کو غیر معمول بہا خیال کیا ہے اور صاحب رسالہ نے بوجہ اجمال کے
صاحب الحقوق اور رسالہ بلند شہری نے الربوا کے الف لام کو عہد ذہنی ٹھراکر یہ بات قرار دی ہے کہ قرآن شریف
میں جہاں کہیں الربوا کا لفظ ہے وہاں یہی سود در سود مراد ہے اور اُسی کی قرآن شریف میں ممانعت ہے
جواب اُس کا یہ ہے کہ تفسیر کبیر تفسیر نیشاپوری اور شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی کے حوالہ سے جب یہ بات
ثابت ہو گئی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ شروع قرضہ کے وقت معین شرح سود پر ایک مدت کیلئے
روپیہ قرض دیکر سود کی رقم ماہانہ وصول کر لیا کرتے تھے اور ختم مدت کے بعد اُس اصل کا تقاضہ کرتے
تھے اس تقاضہ پر اگر مدیون شخص اصل روپیہ ادا نہیں کرتا تھا تو پھر سود در سود کی صورت اختیار کرتے تھے۔
اور سود در سود کے علاوہ جو معاملات کرتے تھے اُن میں نقد سود کو بمنزلہ بیع کے جانتے تھے تو اس حالت
میں اگر الربٰو کا الف لام عہد ذہنی بھی لیا جاویگا تو انہیں عرب کا رواجی سود لیا جاویگا۔ جسمیں دونوں
طرح کا سود ہے۔ کیونکہ الربٰو سے لفظ سود در سود کا رواج لیا جاویگا۔ تو قرآن شریف کی سورۂ بقر
اور آل عمران دونوں آیتوں کا مطلب خبط ہو جاویگا۔ کس لیئے کہ سورۂ بقر کی آیتہ وذروا ما بقی من الربوا سے
سود در سود کے چھوڑنے کا مطلب اگر لیا جاوے۔ تو فلکم رؤس اموالکم کا فیصلہ صحیح نہیں ٹھرتا
کسواسطے کہ اس فیصلہ سے مابقی میں کہیں اگر اکہرا سود مدیون کے ذمہ رہ گیا ہوگا تو وہ بھی ڈوب جاتا ہے
حالانکہ صاحب الحقوق اور صاحب رسالہ بلند شہری کے نزدیک وہ ایک حلال چیز تھی جو فلکم رؤس
اموالکم کے فیصلہ سے ڈوب گئی۔ پھر خدائی فیصلہ اور ایسا نامنصفانہ۔ صاحب الحقوق اور
بلند شہری کا یہ اعتقاد ہوگا ہمارا تو یہ اعتقاد نہیں ہے۔ اسیطرح آیتہ سورۂ آل عمران میں الربوا کے
الف لام سے سود در سود لیا جاوے تو اضعافا مضاعفہ کا لفظ غیر ضروری ٹھرتا ہے جو کلام الٰہی
کی شان کے بالکل مخالف ہے۔ قال صاحب رسالہ بلند شہری صفحہ ٦ اگر یہ کہا جاوے کہ ربو النسیہ
کو آیت قرآنی باطل کرتی ہے۔ اور ربو النقد کو حدیث شریف باطل کرتی ہے تو اس سے لازم ہوگا
تخصیص کرنا قرآن کا ساتھ خبر واحد کے۔ اور یہ غیر جائز ہے ثم قال فی صفحہ ٨ اور نزدیک امام اعظم صاحب

وامام احمد صاحب کے علت چاندی وسونے میں وزن ہے۔ اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک قیمت۔ معلوم ہوتا ہی کہ صاحب رسالہ کو صفحہ ۸ کا قول لکھتے وقت صفحہ ۶ کا قول یاد نہیں رہا کیونکہ صفحہ ۶ کے قول کا تو یہ حاصل ہے کہ حرم الربوا مجمل ہے اور جن حدیثوں میں اس مجمل کی تفسیر ہے وہ خبر واحد ہیں۔ اس لیئے اصول کے موافق خبر واحد سے مجمل آیۃ کی تخصیص جائز نہیں ہے۔ صفحہ ۸ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ جن حدیثوں میں مجمل آیۃ حرم الربوا کی تفسیر ہے۔ وہ حدیثیں خبر واحد نہیں ہیں۔ بلکہ اخبار مشہورہ ہیں۔ اسیواسطے امام اعظم صاحب نے اپنے مذہب کے موافق ان حدیثوں کو جو مجمل آیۃ کی تفسیر بیانی ٹھہرا کر ربوا نقد کی علت میں مبحث کی ہے جس بحث کو صاحب ہدایہ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے فلعلۃ عندنا الکیل مع الجنس او الوزن مع الجنس حاصل یہ ہے کہ ان دونوں قولوں میں ایک قول دوسرے قول کا اچھا خاصا رد ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب رسالہ بلند شہری نے یہ رسالہ جب لکھا ہے تو کتب فقہ اور اصول فقہ کو دیکھکر نہیں لکھا کیونکہ ربا نقد کی بحث میں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے والاصل فیہ الحدیث المشھور۔ صاحب فتح القدیر نے اس قول کی شرح میں صحیح مسلم کی وہی عبادہ بن صامت کی حدیث نقل کی ہے کہ جو صاحب رسالہ نے اپنے رسالہ کے صفحہ ے میں درج کی ہے حدیث مشہور کی بحث میں صاحب حسامی نے لکھا ہی فصحت الزیادۃ بہ علی کتاب اللہ تعالی اگر صاحب رسالہ بلند شہری کی نظر ہدایہ اور اسکی شرح فتح القدیر پر پڑ جاتی۔ تو صاحب مذکور آیۃ حرم الربوا کو مجمل غیر مفسر اور حدیث رافع اجمال کو خبر واحد ٹھہرا کر صاحب ہدایہ کے کلام کا رد نہ کرتا۔ اسیطرح مشار الیہ کی نظر حسامی پر پڑتی تو جن احادیث مشہورہ کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حرم الربوا کی تفسیر ٹھہرا کر آیۃ کے اجمال کو رفع کیا ہے صاحب رسالہ اسکو یا تا معتبر قول نہ سمجھتا۔ اور صفحہ ۶ اور صفحہ ۱۹ میں جو کچھ مومی الیہ نے لکھا ہے اُسکے لکھنے میں وہ ضرور کسیقدر تامل کرتا۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم قال صاحب الحقوق فی صفحہ ۱۴ وہ یعنی پیغمبر صاحب اسلام کی غرض غایت کو سب سے بہتر سمجھتے تھے۔ مگر صاحب الحقوق کا عمل اپنے اس قول کے موافق نہیں ہے کیونکہ حرم الربوا کا مطلب جب پیغمبر صلعم نے نقد سود کا سمجھا اور صحیح حدیثوں میں

نقد سود کے اشیاء حرام شدہ کی تفسیر فرما کر آیتہ کے اجمال کو رفع کر دیا۔ تو اُسکے بعد وہی شخص اس باب
میں عقلی بحث کریگا۔ جسکا خیال یہ ہوگا کہ وہ اسلام کی غرض و غایت کو پیغمبر صلعم سے بہتر سمجھتا ہی
قواعد اصول فقہ کے بیان کے موافق مجمل آیتہ کا حکم توقف کا ہے صفحہ ۶ میں احادیث بیانی کا انکار کرکے
مؤلف رسالہ نے جواز سود کا فتوا جو دیدیا مشار الیہ کا یہ فعل بھی حد توقف کے باہر اور قواعد اصول
کے برخلاف ہے۔ بمعتبر سند سے مسند بزار میں ابو درداء سے روایت ہے جسمیں آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کو حلال یا حرام ٹہرانا اللہ تعالے کے حکم پر موقوف ہے کسی دوسرے
کا اسمیں کچھہ دخل نہیں ہے۔ مولف الحقوق مولف بلند شہری اور اُنکے ہم مشرب اور جن لوگوں نے
عقلی دلائل سے سود کے جواز کا فتوی دیا ہے۔ ان سب کے جواب کیلئے یہ ایک صحیح حدیث
کافی ہے۔ کیونکہ اس صحیح حدیث کے موافق ان لوگوں کے حق میں یہ کہدینا کفایت کرتا ہے کہ
ان لوگوں نے خاص الخاص اختیارات آلہی میں دخل دیکر یہ کام کیا ہے جسکا مواخذہ اُنکے ذمہ
ہے علاوہ اسکے اُن کی غلط تحریرات سے جو لوگ بہک جاوینگے۔ اُنکے بہکانے کا وبال بھی
اُنکے نامہ اعمال میں لکھا جاویگا قال صاحب الحقوق والفرائض سب سے آسان تدبیر جو سوجھہ
پڑتی ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ ہم اپنی خاص حالت کیوجہ سے اپنے تئیں حکم ممانعت سود کا مامور بہ
اور مخاطب نہ قرار دیں۔ یہ اس سے بدرجہا بہتر ہوگا۔ کہ مامور بہ اور مخاطب بنکر بیباکی اور شوخ
چشمی کے ساتھ خلاف حکم کریں۔

اقول۔ جو شخص اپنے آپ کو حکم ممانعت سود کا مخاطب نہ قرار دیگا وہ حرام چیز کے حلال ہونیکا معتقد
ہوگا۔ جو اعتقاد حد کفر تک پہونچتا ہے۔ اور جو شخص حکم ممانعت سود کا معتقد اور مخاطب بنکر بیباکی سے
خلاف حکم کریگا وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اب اگر بہ نسبت کبیرہ گناہ کے کفر کا اختیار کرنا مؤلف
الحقوق کے نزدیک بہتر ہے تو وہ اور بات ہے۔ ورنہ قواعد اسلام کے موافق تدبیر مذکور بدترین
تدبیروں میں کی ایک تدبیر ہے قال صاحب رسالہ بلند شہری لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب
اقول۔ یہ مرسل کے طور پر مکحول کی ایک روایت ہے جسکو بیہقی نے کتاب المعرفۃ کی کتاب السیر میں

امام شافعیؒ سے روایت کرکے لکھا ہے قال الشافعی وھذا لیس بثابت ولا حجۃ فیہ کذا فی تخریج الھدایۃ للزیلعی
اور عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں ھذا حدیث غریب لیس لہ اصل مسند وقال حافظ بن حجر فی تخریج الھدایۃ
حدیث لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب لم اجدہ۔ وفی حاشیۃ چلپی علی الھدایۃ ھذا حدیث
مجہول لم یرو فی صحیح ولا مسند ولا کتاب یوثق بہ۔ صفحہ ۶ میں تو صاحب رسالہ بلند شہر نے عبادہ
کی مشہور حدیث کو خبر واحد ٹھہراکر یہ فیصلہ کیا تھا کہ خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے۔ اب
صفحہ ۲۵ میں خبر مجہول سے قرآن کی تخصیص کیونکر جائز ہوگی۔ غرض اس حدیث کے صحیح نہ ہونیکی وجہ سے
اول تو یہ مسئلہ لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب کا صحیح نہیں ہے دوسرے اگر بالفرض محال اس
مرسل حدیث کو صحیح مان بھی لیا جاوے۔ تو اصول فقہ کے برخلاف اسی خبر واحد سے آیۃ حرم الربوا پر
دار الحرب کی زیادت کسطرح جائز ہوسکتی ہے اسیواسطے فتح القدیر میں لکھا ہے وھذا لا یفید لمعارضۃ
اطلاق النصوص لا بعد ثبوت حجیۃ حدیث مکحول وقد یقال لو سلم حجیتہ فالزیادۃ بخبر الواحد لا تجوز فاثبات قید
زائد علی المطلق من نحو لا تاکلوا الربوا ونحوہ وھو الزیادۃ لا تجوز۔ فتح القدیر کی اس عبارت
کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب قرآن شریف کی آیۃ حرم الربوا اور آیۃ لا تاکلوا الربوا میں بغیر قید دار الحرب کے
مطلق طور پر سود کے حرام ہونے کا حکم نازل ہوچکا ہے تو قرآن کے اس مطلق حکم سے کوئی معارضہ اسوقت تک
کیونکر ہوسکتا ہے جبتک مکحول کی اس مرسل روایت کو صحیح اور قابل حجت نہ ثابت کیا جاوے۔ بلکہ اس مرسل
روایت کو صحیح مان بھی لیا جاوے تو اسطرح کی خبر واحد سے قرآن شریف کے مطلق حکم پر دار الحرب کی قید کا
بڑھانا اصول مذہب کے برخلاف کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ علاوہ اسکے یہ دار الحرب کا مسئلہ ثابت بھی ہوا
تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہ قول ثابت ہوگا کہ دار الحرب میں حسب متذکرہ بالا سود لینا چاہیئے۔
لیکن ہندوستان میں جمعہ وعیدین کی نماز جبکہ سبکی آنکھوں کے سامنے ادا کیجاتی ہے۔ تو پھر حنفی مذہب کے
موافق ہندوستان نہ دار الحرب ہے نہ ہندوستان میں حسب متذکرہ بالا سود کا لینا جائز ہوسکتا ہے چنانچہ
درمختار میں ہے تصیر دار الحرب دار الاسلام باجراء احکام اھل الاسلام کجمعۃ وعید وکذا قال شیخ الاسلام ابوبکر فی شرح السیر
والطحطاوی فی حاشیۃ الدر وابن الھمام فی فتح القدیر حاصل کلام یہ ہے کہ اول تو مکحول کی یہ مرسل روایت صحیح

نہیں ہے۔ اور اگر صحیح ہوتی تو اسمیں قرآن شریف کی آیتوں کی تخصیص کی صلاحیت نہیں پھر اگر صحت
حدیث اور صلاحیت تخصیص کو مان بھی لیا جاوے تو درمختار وغیرہ کی عبارت کے موافق یہ مسئلہ ہندوستان میں
جاری نہیں ہو سکتا۔ اسواسطے ہند کے مجوزین سود کو تین باتوں کے ثبوت کا بار اپنے ذمہ لینا چاہئے۔
مکحول[1] کی روایت کو صحیح ثابت کیا جاوے۔ بعد[2] صحت روایت مذکورہ کے اسمیں قرآن کے تخصیص کی صلاحیت
پیدا کیجاوے۔ ان[3] دونوں باتوں کے طے ہوجانیکے بعد ہندوستان کے دارالحرب ہونیمیں درمختار وغیرہ
کی عبارت متذکرہ کو کیونکر نامعتبر قرار دیا جا سکتا ہے اسکی مفصل وجہ بیان کیجاوے واذلیس فلیس۔
قال[1] صاحب رسالہ بلند شہری۔ ولج زمانہ جاہلیت میں یہ تھا کہ وقت قرضہ کے سود مقرر نہیں ہوتا تھا بلکہ مدت
جب گزر جاتی تھی اسوقت سود کا تقرر ہوتا تھا۔
اقول اوپر ثابت کیا جا چکا ہو کہ زمانہ جاہلیت میں قرضہ دینے کے وقت سود مقرر ہو کر ماہانہ لیا جاتا تھا
اور مدت گذر جانے پر راس المال اگر نہ پٹے تو سود در سود کا تقرر ہوتا تھا۔ اسلیئے صاحب رسالہ کا یہ قول
غلط ہے کہ وقت قرضہ کے سود مقرر نہیں ہوتا تھا قال صاحب رسالہ بلند شہری مسئلہ سود میں ائمہ ایک
دوسرے کے مخالف اور نیز حدیثیں بھی ایک دوسرے کی معارض ہیں۔
اقول یہ قول بالکل غلط ہے کیونکہ سود کے حرام ہونے میں ائمہ ایک دوسرے کے ہرگز مخالف نہیں
ہیں۔ چنانچہ میزان شعرانی میں ہے اجمعوا علی ان الاعیان المنصوص علی تحریم الربوا فیہا الذہب والفضۃ والبر والشعیر والتمر والملح
ہاں ان چیزوں میں سود کے حرام ہونیکا سبب ائمہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق بیان کیا ہو
سود کے حلال ہونیکا کوئی سبب کسی نے بیان نہیں کیا۔ غرض حرمت میں اتفاق اور سبب حرمت
میں اختلاف یہ اور بات ہے اور نفس حرمت میں اختلاف اور بات ہے ان دونوں کو ایک سمجھنا کسی
صاحب فہم کا کام نہیں ہے۔ ہم مرتبہ و صحیح حدیثیں بھی اس باب میں معارض نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو صاحب
رسالہ کا ذمہ ہے کہ وہ پیش کرے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس کا جو یہ قول ہے وہ ان چیزوں
کے دست بدست معاملہ میں ربوا کو جائز کہتے تھے۔ مازنی نے کتاب الاعتبار میں لکھا ہے کہ حضرت
عبداللہ بن عباس نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سنیں۔ تو اپنے اس قول کو انہوں نے

چھوڑ دیا اور اس سے توبہ کی۔ اسیطرح عبداللہ بن عمرو نے اپنے قول سے رجوع کیا ہی جسکا ذکر صحیح مسلم
میں ہے ابن ماجہ وغیرہ میں معاویہ اور عبادہ بن الصامت کا جو قصہ ہے اسمیں معاویہ کیجانب سے کوئی حدیث
پیش نہیں ہوئی۔ صحیح مسلم میں اُسامہؓ کی جو حدیث ہے کہ سود قرض کی صورت میں ہی نقد کی صورت میں نہیں
ہے اس کا فیصلہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں کر دیا ہی کہ یہ حدیث بیع صرف کی صورت میں ہی چاندی
کے عوض میں سونا لیا جاوے یا سونے کی عوض میں چاندی لی جاوے۔ تو اسکو بیع صرف کہتے ہیں۔ یہ
دست بدست ہو تو اُسمیں باہمی بیشی جائز ہے۔ لیکن یہ بیع قرض کے طور پر جائز نہیں ہے۔

قال بلند شہری۔ وصف جودت کا اعتبار بیع میں ضروری ہے اسواسطے کہ جو حدیث شریف عدم
اعتبار پر دلالت کرتی ہی۔ اسمیں ہنوز کلام ہی کہ آیا صحیح ہے یا نہیں۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہی

اقول۔ جس حدیث کا مطلب صاحب ہدایہ نے بیان کر کے یہ ایک شرطیہ بات کہی ہے کہ فان صح
ہذا الحدیث فہو حجۃ۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ابی سعید خدریؓ کی روایت سے اور فقط صحیح بخاری
میں ابو ہریرہ کی روایت سے ہے ایسی صحیح حدیث کی نسبت بلند شہری نے یہ جو کہا ہے کہ جو حدیث
عدم اعتبار جودت پر دلالت کرتی ہے اسمیں ہنوز کلام ہے کہ آیا صحیح ہے یا نہیں۔ مشار الیہ کا یہ قول
بالکل غلط ہی اور اپنے اس غلط قول کی بنا پر مشار الیہ نے مدت قرضہ کو سود کا معاوضہ جو ٹھیرایا ہی
وہ غلط در غلط ہے۔ کیونکہ اس حدیث کی تحت میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہی واجمعوا علی ان البر
بالبر لایجوز بیع بعضہ ببعض الا مثلا بمثل وسواء فیہ الطیب والدون وانہ کلہ علی اختلاف انواعہ جنس واحد
حاصل یہ ہی کہ اس غلط بنا پر صفحہ ۱۰ میں مشار الیہ نے جو کچھ خامہ فرسائی کی ہی وہ بنا ر غلط علی الغلط ہے۔

قال بلند شہری لہذا میری رائے ناقص میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آیت قرآنی احل اللہ البیع
وحرم الربوا کو بھی مانند اُن آیتوں کے حمل کیا جاوے کہ جنکے متعلق مفسرین تحریر فرماتے ہیں اللہ اعلم
بمرادہ یعنی مانند آیات مقطعات و متشابہات کے کہ جنکے معنی ہماری سمجھ کے باہر ہیں۔

اقول تفسیر کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کا بڑا اعتبار ہے۔ کیونکہ صحیح حدیثوں
میں آیا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباس کے حق میں یہ

دعا کی ہے کہ خدا تعالیٰ اُنکو قرآن شریف کا مطلب سکھاوے اور اُنسے علم تفسیر کو دنیا میں پھیلاوے - اب حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے تفسیر کی باتوں کو بہت سے طریقوں سے روایت کیا جاتا ہے مگر ان طریقوں میں علی بن طلحہ ہاشمی کا وہ اعلی درجہ کا طریقہ ہے جسکو امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں معتمد علیہ قرار دیا ہے - اور امام احمد بن حنبل نے اس طریقہ کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ مدینہ سے مصر تک اس طریقہ کی ایک روایت کے حاصل کرنے کیلئے اگر کوئی شخص سفر کرکے اُسکو حاصل کرے تو اُس شخص نے اُس روایت کو گویا مفت پایا - تفسیر ابن ابی حاتم میں انہی علی بن طلحہ کے طریقہ سے حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت ہے کہ قرآن شریف میں جو آیتیں عمل کیلئے نازل ہوئی ہیں جیسے نماز روزہ بیع وسود کی آیتیں وہ سب محکم ہیں اور جن آیتون سے عمل متعلق نہیں ہے بلکہ اُن آیتوں پر فقط بندوں کا ایمان لانا مقصود الٰہی ہے جیسے صفات الٰہی کی یا قیامت کے حال کی آیات یا حروف مقطعات یہ سب متشابہ ہیں - اب یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ صاحب رسالہ بلند شہری نے حرام وحلال کے عمل کی آیت مذکورہ کو آیات متشابہات کی مانند جو قرار دیدیا یہ مشار الیہ کی فن تفسیر سے ناواقفی کا سبب ہے علاوہ اسکے جب کسی مفسر نے اس آیت کو متشابہ نہیں لکھا اور ہر مذہب کے ائمہ اور علماء نے آیت کو مجمل اور احادیث صحیحہ کو رافع اجمال ٹھہرا کر حکم متذکرہ آیت کی فروعات فقہیہ پر ہر طرح بحث کی ہے - تو تن تنہا بیچارہ صاحب رسالہ کو یہ اختیار کون سے حکم شرعی سے ملگیا کہ وہ تمام شرعی دنیا کی مخالفت پر کمر باندھے -

قال صاحب الحقوق والفرائض - حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی جو سایہ کی طرح پیغمبر صلعم کے ساتھ رہتے تھے فرماتے ہیں کہ حرمت ربوا پیغمبر صلعم کی حیات کے ایسے آخری زمانے میں نازل ہوئی کہ ہم میں سے کیسکو ربوا کے بارے میں پیغمبر صلعم سے پوچھنے اور دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی یہ بات حضرت عمرؓ نے ضرور کسی ایسے موقع پر فرمائی ہوگی کہ کسی نے ربوا کے بارہ میں کچھ اشتباہ ظاہر کیا ہوگا - اُسکے جواب میں حضرت عمرؓ نے ایسا فرمایا - اِس سے یہ بات نکلی کہ صحابہؓ کو بھی ربوا کے بارہ میں اشتباہات تھے اور عجب نہیں کہ وہ اشتباہات اسیطرح کے ہوں

جن کی تھوڑی تصریح ہم اوپر کر چکے ہیں۔
اقول۔ صاحب الحقوق والفرائض نے جن اشتباہات کی تصریح اوپر بیان کی ہے وہ اِس مطلب کی تائید میں ہے کہ نقد سود حرام نہیں ہے۔ اگر حرام ہے تو فقط سود در سود ہے۔ صاحب الحقوق اسطرح کا اشتباہ اگر ایک صحابی سے نقل کرنا چاہے تو کسیطرح ممکن نہیں۔ کیونکہ نقد سود کے حرام ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے چنانچہ میزان شعرانی میں ہے اجمعوا علی ان الاعیان المنصوص علی تحریم الربا فیھا الذھب والفضۃ والبر والشعیر والتمر والملح اذا علمت ذلک فقد اجمع المسلمون کلھم علی انہ لا یجوز بیع الذھب بالذھب منفردا والورق بالورق منفردا الا مثلا بمثل وزنا بوزن یداً بید و یحسن مر نسیئۃ۔ غرض صاحب الحقوق کا یہ خیال تو بالکل غلط ہے کہ نقد سود کے حرام ہونیمیں یا نقد سود کی حرمت کی چیزوں میں حضرت عمرؓ یا کسی اور صحابی کو کچھ شتباہ تھا یا نقد سود کے حرام ہونے یا حرمت کی اشیاء کو حضرت عمرؓ اسی سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کر سکے کہ ربوا کی آیۃ پیغمبر صلعم کی آخری عمر میں نازل ہوئی۔ کیونکہ مولف الحقوق والفرائض نے صفحہ ۲۴۱ میں صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے خود حضرت عمرؓ کی جو حدیث نقل کی ہے وہ اور صفحہ ۲۴۶ میں مولف مذکور نے حضرت عمرؓ اور چند صحابہ کی روایتوں سے جو نتیجہ نکالا ہے۔ وہ مولف کے اِس خیال کو غلط ٹھہرانے کے لیئے کافی ہے۔ مولف مذکور کا وہ نتیجہ یہ ہے۔ احادیث مذکورہ بالا سے تو یہ ثابت ہوگیا۔ کہ سونے چاندی گیہوں جو کھجور نمک میں سے ہر ایک کو اُسی کے جنس سے اُدھار اور کمی بیشی کے ساتھ بیچنا یا بدلنا ناجائز اور حرام ہے اب یہ ایک ظاہر بات ہے کہ صحابہ کے ایک انبوہ کی روایتوں سے نتیجہ مذکورہ کا نکالنا اور پھر یہ خیال کرنا کہ صحابہ کو نقد سود کے حرام ہونیمیں اشتباہ تھا۔ یا یہ خیال کرنا کہ سود کی آیۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر عمر میں نازل ہوئی اسلیئے اصل سود کی حرمت صحابہ میں نہیں پھیلی۔ یہ ایک غلط خیال ہے ہاں سود کی بعض بعض خاص صورتوں میں بعضے بعضے صحابہ کو اشتباہ تھا۔ لیکن جب انہوں نے اور دوسرے صحابہ سے اُس اشتباہی مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سن لیں

تو اُن کا وہ اشتباہ جاتا رہا۔ جیسے مثلاً عبداللہؓ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا قصہ اوپر گزر چکا ہے یا جیسے معاویہ اور عبادہ بن الصامت کا قصہ جسکو مؤلف الحقوق والفرائض نے صفحہ ۲۴۴ میں ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اُس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس عبداللہ بن عمرؓ اور معاویہ کی بہ نسبت حضرت عمر کو سود کے مسئلہ کی جزئیات زیادہ معلوم تھیں اسیواسطے اُنہوں نے عبادہ بن صامتؓ کی حدیث کی تائید کی اور معاویہ کی رائے کو غلط ٹھہرایا۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ یہ مجوّزین سود حضرت عمرؓ کے متذکرہ بالا قول کو اس غرض سے اپنی کتابوں میں جو نقل کرتے ہیں کہ اُس سے سود کی حرمت میں اشتباہ ڈالیں اور یہ کہیں کہ حضرت عمرؓ کو بھی سود کی حرمت میں اشتباہ تھا۔ وہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ تو سود کے مسئلہ میں اشتباہ سے ایسے دور تھے کہ جس لین دین میں سود کا اشتباہ ہو اُسے بھی چھوڑ دینے کے لیئے حکم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ خود مؤلف الحقوق نے حضرت عمرؓ کا یہ قول دارمی کے حوالہ سے صفحہ ۲۴۹ میں نقل کیا ہے۔ حضرت عمر کا یہ قول ایک صحیح حدیث کے موافق ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں نعمان بن بشیر کی روایت سے ہے جسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرام و حلال یہ دونوں چیزیں تو ایسی ہیں کہ جنکے احکام صاف صاف ہیں مگر مشتبہ چیزوں سے آدمی کو بچنا چاہیئے۔ کیونکہ مشتبہ چیز و نکے عمل میں لانے سے حرام کی حد کے اندر پہونچ جانیکا خوف ہے۔ مشتبہ وہ چیز ہے جسکے حرام یا حلال ہونیکا صاف حکم شریعت میں نہ ہو حاصل مطلب یہ ہے کہ جو آدمی مکروہ سے نہ بچے اُسکا قدم حرام کی حد کے اندر رفتہ رفتہ پہونچ جاتا ہے۔ اور جو شخص مشتبہ کو عمل میں لاتا ہے وہ آخر مکروہ کی حد میں گھس جاتا ہے بلند شہری نے بھی اسی غلط خیال کی تائید کے طور پر حضرت عمرؓ کا متذکرہ قول اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے اُسکا بھی وہی جواب ہے جو اوپر گذرا قال صاحب الحقوق والفرائض دوسرے ادیان کے رخنے اُنکی آنکھ کا ناخنہ ہیں تو یہ سود کا مسئلہ اسلام کی آنکھ کا ٹینٹ ہے۔ اقول اس قول میں بڑی بھاری غلطیاں ہیں (۱) اوپر مؤلف مذکور نے یہ لکھا ہے کہ اکیلا اسلام ہی سود کا دشمن نہیں۔ یہودی۔ نصرانی سب ہی

تو نہ ہتا اُسکے مخالف ہیں۔ اس بنا پر مؤلف کو یہاں یہ لکھنا لازم تھا کہ یہ سود کا مسئلہ شریعت موسوی و شریعت عیسوی و شریعت محمدی ان تین شریعتوں کی آنکھ کا ٹینٹ ہے اس صورتمیں اس ٹینٹ کو معیوب ٹھیرانے والے ہنود اور پارسی دنیامیں پائے جاتے جو اسلام کی اکثر باتوں کو عیب لگاتے ہیں جب مولف المحقوق نے اب تک یہ مشورہ اہل اسلام کو نہیں دیا کہ اُن عیب چین لوگونکو خوش کرنے کیلئے دین کے اکثر ارکان کو چھوڑ دیا جاوے تو سود کے مسئلہ میں مشار الیہ جس مشورے کے درپے ہے وہ مشورہ محض خود غرضی ہے اسلام کی خیر خواہی کسیطرح نہیں ہے۔

(۲) مولف نے اوپر تثلیث کے مسئلہ کا ذکر کرکے بعد میں یہ لکھا ہے کہ دوسرے ادیان کے رخنے اُن کی آنکھہ کا ناخنہ ہیں۔ تو یہ سود کا مسئلہ اسلام کی آنکھ کا ٹینٹ ہے۔ مؤلف کی پوری تحریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ تثلیث کا شرکی مسئلہ آنکھ کے ناخنے کے برابر ہے۔ تو یہ ناجائز کمائی سے روکنے کا سود کا مسئلہ شرک سے بھی بڑہکر آنکھ کے ٹینٹ کی برابر ہے ہمارے نزدیک مولف مذکور کا یہ قول ایسا ہے کہ مشار الیہ کو اُس سے رجوع اور توبہ لازم ہے۔

(نتیجہ) مجوزین اور محرمین سود کے فیمابین سود کے حرام اور حلال ہونیکی جو بحث تھی وہ گویا اسطرح سے طے ہوئی کہ مؤلف المحقوق نے تو نقد سود کی حرمت کو تسلیم کرکے فرقہ سود خوار کو سود کے کھانے پر اسطرح بے بس اور مجبور ٹھہرایا جسطرح قریب الہلاک بھوکے شخص کو مجبوری کی حالت میں بقدر سد رمق حرام چیزوں کے کھانیکی شریعت میں اجازت ہے۔ لیکن صاحب المحقوق والفرائض کا یہ عذر ایسا ہے کہ جسطرح کوئی مالدار شخص ہر طرحکی حلال چیزوں کے کھانے پر قادر ہو۔ اور پھر مثلاً مردار جانور کا گوشت کھانیکی عادت ڈال لیوے۔ اور کوئی آدمی اُس سے مردار جانور کے گوشت کھانیکا سبب پوچھے۔ تو وہ کہہ دیوے کہ حلال چیزونکے خریدنے اور پکوانے کی دردسری مجھہ سے ہو نہیں سکتی۔ اسلئے مردار جانور کا گوشت اس بے بسی کی حالت میں مجھکو جائز ہے۔ یہ سود خوار فرقہ کے لوگ ہزار ہا روپیہ کے مالک ہوتے ہیں جن روپیوں سے ہر طرحکی حلال تجارت کا موقع انکو حاصل ہے مگر اُس مردار خوار شخص کیطرح تجارت کی دردسری سے بچکر سود خوا

بنگئے ہیں۔ اور اُس مردار خوار شخص کے مانند زبردستی سود خواری کے لیئے اپنے آپکو بے بس قرار دیتے ہیں جو قرار داد بالکل خلاف عقل و نقل ہی۔ اسواسطے بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کے حق میں سود کی حرمت ثابت اور انکا عذر بالکل ناثابت ہے۔

بلند شہری نے صفحہ ۶ میں نقد سود کی حرمت کو تسلیم کرکے یہ جو لکھا ہے کہ اس سے لازم ہوگا تخصیص کرنا قرآن کا ساتھ خبر واحد کے یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اسکے بعد صفحہ ۸ میں مشار الیہ نے جو کچھ لکھا ہے وہی اُسکے رد کیلئے کافی ہے۔ کس لیئے کہ صفحہ ۸ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ جو حدیثیں آیتہ کی اجمال کی رافع ہیں۔ اُنکو ائمہ اربعہ نے خبر واحد نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ اُنکو احادیث مشہورہ مانکر اُنکو آیت کا بیان اور آیت کی تفسیر قرار دیا ہے اور اُن حدیثوں میں جن اشیاء کا ذکر تھا اُن سبھا کی حالت پر غور کرکے سود کے اسباب حرمت پر طرح طرح سے بحث کی ہے۔ بلند شہری کی طرح اگر ائمہ اربعہ بھی اُن احادیث کو اخبار احاد سمجھتے۔ تو پھر یہ صفحہ ۸ کی بحث کیونکر پیدا ہوتی کتب فقہ میں بیع کی تعریف مبادلۃ المال بالمال لکھی ہی اور ربوا کی تعریف الفضل الخالی عن العوض ان دو تعریفوں سے بیع اور ربوا میں جو فرق ہے وہ ہر شخص کی سمجھ میں اچھی طرح آسکتا ہی کیونکہ سود خوار شخص جو روپیہ قرض لینے والے شخص کو قرض دیتا ہی وہ تو مدت قرض پر کوڑی کوڑی واپس آجاتا ہے آخر کو زر سود خالی عن العوض رہ جاتا ہے بخلاف بیع کے کہ اسمیں بیع شدہ چیز بائع کی ملک سے نکلکر ہمیشہ کے لیئے مشتری کی ملک میں چلی جاتی ہے بلند شہری نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۲ میں بیع اور سود کے مابہ الامتیاز سے جو انکار کیا ہی۔ یہ مشار الیہ کی نافہمی کا نتیجہ ہے۔ اسیطرح بلند شہری نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۱ میں مدت قرضہ کو سود کا معاوضہ جو ٹھہرایا ہے جمہور فقہا کے برخلاف ہونیکے علاوہ وہ بھی مشار الیہ کی ایک نافہمی ہے کیونکہ نہ مدت قرضہ مالیت کی چیز ہے نہ اُسپر مبادلۃ المال کی تعریف صادق آتی ہے۔ علاوہ اسکے مدت تو سود در سود میں بھی موجود ہی پھر وہاں مدت کو سود کا معاوضہ کیوں نہیں ٹھہرایا جاتا۔

ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ۰ — تمت —